R. N 2186/57

Regd No. A 322

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 39

Telegrams: "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۲۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

اُردو میں صوتیاتی اصطلاحیں

اُردو میں صوتیاتی اصطلاحوں پر ڈاکٹر گیان چند جین کا مضمون ہماری زبان میں نظر سے گزرا۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو میں لسانیات کا کام کرتے ہوئے سب سے بڑی دقت یہی پیش آتی ہے کہ انگریزی اصطلاحوں کے اُردو مترادفات صحیح طور پر معلوم نہیں ہیں۔ اُردو میں لسانیات سے دل چسپی روز بروز بڑھ رہی ہے لیکن اصطلاحوں کا مسئلہ ہے کہ اُلجھتا ہی جا رہا ہے۔ انھیں کوئی عربی سے لیتا ہے تو کوئی فارسی سے، کسی نے ہندی سنسکرت سے رجوع کیا ہے تو کسی نے انھیں بغیر غور و فکر کے اپنے طور پر وضع کر لیا ہے۔ غرض عجب خلفشار ہے اور ایک کی بات دوسرا پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا اقدام سنہ ۱۹۶۰ء میں ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد نے کیا تھا اور اُردو انسائیکلوپیڈیا کے سلسلے میں لسانیاتی اصطلاحیں ترجمہ کرا کے ماہروں کو بھجوائی تھیں۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور ڈاکٹر سدھیشور ورما سے بھی مشورہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں، انفرادی طور پر کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصطلاحوں میں سخت ناہمواری پائی جاتی ہے۔ چند ماہ ہوئے ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ مسئلہ یوں حل نہیں ہوگا۔ اس کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ چاہئے کہ عثمانیہ، علی گڑھ یا دہلی میں سے کوئی ایک یونیورسٹی اس کام میں پہل کرے۔ جہاں تک دہلی یونیورسٹی کا تعلق ہے، ہمارے شعبۂ اردو نے لسانیات سے متعلق کام کا جو چھوٹا سا منصوبہ بنایا ہے اس میں اصطلاحات کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ ہم اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں لسانیاتی اصطلاحوں کی ڈکشنری تیار کرنا چاہتے ہیں، لیکن وزیر اعظم جمہوریہ ہند شری جواہر لال نہرو نے جب وہ پچھلے برس شعبۂ اُردو میں تشریف لائے تھے، زیادہ زور جامع "اردو - ہندی لغت" کی تدوین پر دیا تھا، اس لئے سب سے پہلے اس پروجیکٹ کو ہاتھ میں لیا گیا ہے اور جیسے ہی حالات نے اجازت دی، لسانیاتی اصطلاحوں کا کام بھی شروع کر دیا جائے گا۔

عام الفاظ زبانوں کے ارتقائی سفر میں خود بخود بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اس میں انسانی کوشش اور رد و اختیار کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاحوں کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔ گو اصطلاحوں کی بنیاد بھی عام لفظوں یا لفظی مادوں پر رکھی جاتی ہے۔ لیکن اصطلاحیں دراصل وہ الفاظ یا تراکیب ہیں جنھیں بالارادہ کسی خاص مفہوم کے لئے وضع کیا جائے، یعنی ان میں شعوری کوشش اور رد و اختیار کو دخل ہوتا ہے لیکن یہاں بھی ہمارے اختیارات اتنے وسیع نہیں کہ جس لفظ کے جو چاہیں معنی متعین کر دیں۔ اصطلاحیں بھی تو زبان کا حصہ ہیں۔ اور زبان کسی بھی پابندی یا جبر کو اگر وہ استعمال عام اور چلن کے خلاف ہے، تو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اس لئے اصطلاحات سازی میں بھی الفاظ کے قرینے کے علاوہ بنیادی اہمیت ان کے استعمال اور چلن کی ہے۔ ہندی اصطلاحوں کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ حکومتِ ہند اس کام پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ سیکڑوں اسکالر صبح سے شام تک پسینہ بہاتے ہیں۔ ہزاروں من کاغذ سیاہ کیا جاتا ہے۔ لاکھوں کارڈ بنائے جاتے ہیں۔ کمیٹیاں مقرر اور منسوخ ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس سب اہتمام کے باوجود جو اصطلاحیں سامنے آئی ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ سب کی سب قابلِ قبول ہیں!

صالح عنصر کی حیثیت سے زبان میں اضافے کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان اصطلاحوں میں سے پانچ فی صد کو بھی تو قبولِ عام کے دربار میں جگہ نہیں ملی۔ ریڈیو یا دوسرے سرکاری دفتروں میں مترجموں کا وقت کے وقت لغت دیکھ کر مکھی پر مکھی مارنا ایک بات ہے اور اصطلاحوں کا چل نکلنا یا قابلِ قبول ہونا بالکل دوسری۔ اصطلاحات سازی کے کام میں اصولوں کی خوبصورت شاہراہ اتنی اہم نہیں جتنی استعمالِ عام کی سادہ اور سپاٹ پگڈنڈی۔ الفاظ کو ناپنے کا کوئی ایسا فیتہ آج تک ایجاد نہیں ہوا جس سے مدد لے کر ہم الفاظ پر ان کی خوبی یا خامی کی مہر لگا سکیں۔ اس کا فیصلہ زبان کے بولنے والوں ہی پر چھوڑنا پڑے گا۔ ڈاکٹر گیان چند جین کا اس سلسلے میں یہ اصول ہے: "حتی الامکان اردو ترجمہ نہ اتنا غریب و دقیق ہو کہ عام پڑھنے والا اس سے کچھ بھی اخذ نہ کر سکے نہ دہقانیت کی حد تک دیسی بولی میں ہو"۔ انھوں نے بظاہر بیچ کی راہ اختیار کی ہے۔ میں خود اعتدال پسندی کا حامی ہوں لیکن زبان کے معاملے میں یہ اعتدال پسندی بھی دراصل High brow ذہنیت کی سیڑھی بن کے رہ جاتی ہے۔ لفظ "دہقانیت" اسی کا غماز ہے۔ دہقانوں کی دیسی بولی میں اصطلاحوں کے تمام و کمال وضع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ دہقانیت سے بچنے کی ضد میں ہم غریب اور دقیق الفاظ کا سہارا لیں جیسا کہ خود موصوف نے بعض صورتوں میں کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اصطلاحات سازی کے کام میں علمی زبان کا سہارا لینا ہی پڑے گا، لیکن اگر دیسی بولی کے الفاظ سے مدد لے کر کوئی سہل اصطلاح وضع کی جا سکتی ہے تو اسے محض اس لئے ٹاٹ باہر سمجھنا کہ اس سے دہقانیت کی بو آتی ہے، لسانی اصولوں سے روگردانی کے مترادف ہوگا۔ "معیاری زبان" دراصل ہے بھی کیا؟ اگلٹ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم فاضل ہو، کسی نہ کسی "دیسی بولی" ہی میں بات چیت کرتا ہے۔ اصطلاح سازی میں محض ہماری معیاری پسند کی ترازو کام نہیں دے گی۔

یہاں بھی نظر استعمالِ عام اور چلن پر رکھنی پڑے گی۔ اگر اصطلاح عام فہم ہے اور اس میں بول چال کے کسی لفظ سے کوئی قرابت موجود ہے اور یہ قرابت ذہن کو اصطلاحی مفہوم کی طرف راجع کر سکتی ہے تو ایسی اصطلاح یقیناً کامیاب ہوگی۔ مثال کے طور پر دانت کی آوازوں کو دنتی، ہونٹوں کی آوازوں کو لبی اور حلق کی آوازوں کو حلقی کہا جائے تو ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں کے مقبول ہونے کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر عام بول چال کے کسی لفظ سے مدد نہیں لی جا سکتی اور علمی زبان کا سہارا لینا ہی پڑے تو اس حالت میں ہماری ذمہ داری اصطلاح وضع کر دینے کے بعد ختم نہیں ہو جاتی۔ یعنی کام فقط اتنا نہیں کہ اصطلاح بنائی اور دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ اگر وہ اصطلاح استعمالِ عام کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے اور زبان کی خراد پر چڑھ کر اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو بہت خوب، ورنہ اُسے بدلنا ہوگا۔

ہر زبان میں نئے لفظ تیزی سے داخل ہوتے اور پرانے مردہ ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کام کوئی کمیٹی نہیں کرتی بلکہ از خود اور غیر ارادی طور پر ہوتا ہے۔ زبان میں مردہ لفظوں کی لاشیں فوراً دفنا نہیں دی جاتیں بلکہ زبان ان کی نمائش سے کبھی کبھی کام چلاتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنے آپ گل سڑ کے فنا ہو جاتی ہیں۔ اصطلاح ساز کا کام لاشوں کو سینے سے لگانا نہیں، رواج اور چلن پر نظر رکھنا اور زندہ لفظوں سے رشتہ جوڑنا ہے۔

ایک اور بات اصطلاح سازی کے بارے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اصطلاحیں بنا دینے کے بعد ان کے استعمال کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک مفہوم کے لئے ہر شخص ایک ہی اصطلاح استعمال کرے۔ بعض اوقات ایک مفہوم کے لئے دو یا تین تین اصطلاحیں بھی رائج ہو جاتی ہیں۔ انگریزی میں لسانیات پر سو ڈیڑھ سو سال سے کام ہو رہا ہے، اصطلاحوں کے استعمال پر بھی ایک مدت گزر چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب بھی ایک ہی مفہوم کے لئے بعض اوقات ایک مصنف کے ہاں ایک اصطلاح اور دوسرے کے ہاں دوسری ملتی ہے۔ اس قدر رعایت ہمیں اردو اصطلاحوں میں بھی روا رکھنی ہوگی۔ ضروری نہیں کہ جو اصطلاح ایک بار وضع کر دی گئی، وہ پتھر کی لکیر ہے اور اس سے سرمو انحراف گردن زدنی!

اردو میں لسانیات اب بالکل نئی چیز نہیں۔ اردو کے متعدد ادیب اس بُتِ سرکش کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہیں۔ لسانیات سے متعلق بہت سے مضامین اور چند ایک کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ غور سے دیکھئے تو ان سب کے ہاں بعض اصطلاحیں مشترک ہیں۔ لسانیات کی تعلیم میں ان سے کام لیا جاتا ہے اور طلبہ بھی انھیں پوری طرح سمجھتے ہیں۔ کیوں نہ ان مشترک اصطلاحوں کو چھان پھٹک کر الگ کر لیجئے۔ رواج نے خواہ وہ کتنے ہی محدود دائرے میں کیوں نہ ہو، انھیں شرفِ قبولیت بخشا ہے۔ ان کے علاوہ جن اصطلاحوں میں اختلاف ہے اور خاصا اختلاف ہے ان کے بارے میں غور و خوض کر کے فیصلہ کر لینا چاہئے۔ مثلاً voiced اور voiceless کے لئے جب اردو میں اکثر و بیشتر "مسموع" اور "غیر مسموع" استعمال ہوتے ہیں اور یہ اصطلاحیں چل نکلی ہیں، اور مفہوم کو بھی ظاہر کرتی ہیں تو "خفی" اور "جلی" کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح aspirated اور unaspirated کے لئے "ہکاری" اور "غیر ہکاری" عام فہم ہیں اور مستعمل ہیں۔ لیکن موصوف نے ان کے لئے "متنفس" اور "مقلول" کی سفارش کی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ سفارش ایک ایسا شخص کر رہا ہے جو غریب اور دقیق الفاظ سے بچنے کی سفارش بھی کر چکا ہے۔ Nasal کے لئے "غنائی"، lateral کے لئے "پہلوئی" اور Flapped کے لئے "ڈسنگی" نہایت عمدہ اصطلاحیں ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۱ پر)

ہماری زبان

۸ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء

سہ لسانی فارمولا اتر پردیش میں

سب سے پہلے ثانوی تعلیم کے کمیشن نے سہ لسانی فارمولے کی سفارش کی۔ اس کے بعد گزشتہ سال بڑے وزیروں کی کانفرنس میں جب قومی یک جہتی کا مسئلہ زیر بحث آیا تو لسانی اقلیتوں کے مسئلے پر مکمل کر بات چیت ہوئی اور دوبارہ سہ لسانی فارمولے کی سفارش کی گئی، یہ فارمولا حسب ذیل تھا:۔

(الف) علاقائی زبان یا مادری زبان جبکہ مادری زبان علاقائی زبان سے مختلف ہو۔

(ب) ہندی یا ہندی کے علاقوں میں کوئی اور ہندستانی زبان، اور

(ج) انگریزی یا کوئی اور جدید یورپی زبان۔

اس صورت میں اُتر پردیش کے طلبہ کے لئے ہر قسم کی سہولت تھی۔ ہندی بولنے والے غالباً اس فارمولے پر اس طرح عمل کرتے :۔

(الف) ہندی

(ب) کوئی ہندوستانی زبان مثلاً جنوبی ہند کی کوئی زبان۔

(ج) انگریزی

اُردو بولنے والوں کا انتخاب یہ ہوتا :۔

(الف) اُردو

(ب) ہندی

(ج) انگریزی

لیکن مشکل یہ ہوئی کہ اُتر پردیش میں قومی یک جہتی کے نام پر یہ کوشش کی گئی کہ عام طور پر ہندی، انگریزی اور ایک جنوبی ہند کی زبان کا انتظام کیا جائے اور انگریزی کی جگہ پر اُردو لینے کی اجازت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اُردو بولنے والوں کے لئے یہ صورت قابل قبول نہ تھی چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن نے بستر علالت سے ایک خط بھیجا جو اخباروں میں شائع ہو چکا ہے اور اس پر زور دیا کہ جنوبی ہند کی ایک زبان پر اس طرح اصرار نہ کیا جائے کہ اُردو والے اپنے حق سے محروم رہیں۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ چونکہ جنوبی ہند کی سب زبانوں کا انتظام کرنا ضروری سمجھا گیا تھا اس لئے اتنی بڑی تعداد میں استادوں کی فراہمی دشوار معلوم ہوئی اور اب اندیشہ ہے کہ اُتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے پر اس طرح عمل ہی نہ ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتر پردیش کے ارباب حل وعقد کو کیا ہو گیا ہے۔ جب سہ لسانی فارمولے میں مادری زبان کی تعلیم ضروری سمجھی گئی ہے اور اُردو کے لئے گنجائش رکھنے میں کوئی عملی دقت نہیں ہے تو قومی یک جہتی کا نام لے کر تعلیم، قومیت اور جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کرنے کے کیا معنی ہیں۔ قومی یک جہتی کی رو سے بھی سب سے پہلے لسانی اقلیتوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے حکومت ہند کی یہی پالیسی ہے۔ ریاستی حکومت بھی اسے تسلیم کر چکی ہے پھر اس پر عمل کرنے میں کیوں دیر ہو رہی ہے؟ رہا یہ سوال کہ جنوبی ہند کی سب زبانوں کی تعلیم کا انتظام بہت مشکل ہے تو کون کہتا ہے کہ سب زبانوں کا انتظام فوراً کیا جائے۔ اس میں کیا حرج ہے کہ پہلے تامل کا انتظام کیا جائے جو جنوبی ہند کی زبانوں میں سب سے زیادہ قدیم، ترقی یافتہ اور مالدار زبان ہے۔ پھر یہ بھی کیسے ضروری ہے کہ ہر بچے کو ایک جنوبی ہند کی زبان لینے پر مجبور کر دیا جائے۔ جن بچوں کی مادری زبان اُردو یا پنجابی یا بنگالی ہے وہ مادری زبان کے ساتھ ہندی اور انگریزی پڑھیں۔ ہندی والے کوئی جنوبی ہند کی زبان لے لیں یا چاہیں تو وہ اُردو، بنگالی یا پنجابی لے لیں۔ ویسے جنوبی ہند کی زبانوں کے سیکھنے کے لئے شام کے کلاسوں اور وظیفوں کی سہولت دینے کی جو تجویز ہے وہ اچھی ہے اور اس سے سبھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اُردو والے بھی غالباً فرصت کے اوقات میں جنوبی ہند کی کوئی زبان شوق سے سیکھیں گے۔ اس لئے اُتر پردیش کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ سہ لسانی فارمولے کے نافذ کرنے میں مزید تاخیر نہ کرے اور مادری زبان، علاقائی زبان اور انگریزی تینوں کی ہر حال میں گنجائش رکھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کی کسی زبان کو سیکھنے کا موقع مل جاتا ہے تو بہت اچھا ہے، مگر اس کے نام پر مادری زبان کی تعلیم کو نظر انداز کرنے کی کوشش بہر حال غلط ہے۔

ٹنڈن جی اور ڈاکٹر رائے کا انتقال

افسوس ہے کہ اس ہفتے میں ہماری قومی زندگی کے دو اہم ستون گر گئے۔ ٹنڈن جی ہمارے ان قومی رہنماؤں میں سے تھے جن کے خلوص و خدمت کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے ہندی زبان و ادب کی بڑی خدمت کی ہے گو اس سلسلے میں اُن کے بعض خیالات سے اتفاق مشکل تھا، مگر اُن کی نیک نیتی پر کبھی شبہ نہیں کیا گیا۔ ڈاکٹر رائے نے بنگال کی اور ہندوستان کی جس طرح خدمت کی ہے وہ سب پر روشن ہے۔ وہ آزادی کے بعد بنگال کی سیاسی کشتی کے واحد رہنما رہے اور بنگال نے جس طرح ملک کی ترقی میں حصہ لیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ڈاکٹر رائے نے ایک دفعہ ریاستی اُردو کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے بڑی فراخ دلی سے لسانی اقلیتوں کے تمام جائز مطالبات پورے کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اس سلسلے میں عملی اقدامات بھی کئے گئے تھے۔ افسوس ہے کہ ملک ایسے تجربہ کار، جہاں دیدہ اور دیرینہ قومی کارکنوں سے محروم ہو گیا۔ ان بزرگوں کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

انجمن ترقی اردو لکھنؤ

لکھنؤ ۔ ۳۰ جون ۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی اور جوائنٹ سکریٹری سید فدا حسین نے لکھنؤ کارپوریشن کے محکمۂ تعلیمات کے سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی اور بیسک اسکولوں میں اردو کی تعلیم میں عملی دشواریوں کی طرف ان کو توجہ دلائی مثلاً ٹائم ٹیبل میں اردو کا گھنٹہ نہ ہونا۔ نتائج کے کارڈ میں اردو کو جگہ نہ دینا۔ داخلہ کے فارم میں مادری زبان کے خانے میں اردو کا نہ لکھا ہونا وغیرہ۔

سپرنٹنڈنٹ تعلیمات نے ہر قسم کی سہولت دینے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا کہ داخلہ کے فارموں اور نتائج کے کارڈوں میں اردو کا اندراج کر دیا گیا ہے اور ٹائم ٹیبل میں بھی اردو کا گھنٹہ بڑھا دیا جائے گا۔

انجمن ترقی اردو کی طرف سے داخلہ مہم کے حلقہ وار جلسے بھی کئے جا رہے ہیں۔ کل شب میں بلوچپورہ اور اس کے ملحقہ محلوں کا ایک جلسہ حافظ اسحاق صاحب کی صدارت میں ہوا جس میں ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، محمد یونس خالدی، سید فدا حسین اور جعفر مرزا وغیرہ نے اردو تعلیم کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی۔ ایک تعلیمی کمیٹی حافظ محمد اسحاق، علی نواب صاحب طباطبائی، جعفر مرزا ساحر لکھنوی اور وسیم صاحب پر مشتمل بنائی گئی جو اس علاقے کے اسکولوں میں داخلہ کی جدو جہد کرے گی۔ کمیٹی کو اختیارات ہیں کہ وہ ممبران اور رضاکاروں میں اضافہ کرے۔

یہ کمیٹی بلوچپورہ، اشرف آباد، مجدیاں، وکٹوریہ اسٹریٹ سے متعلق جملہ اسکولوں میں اردو تعلیم کے متعلق نگراں رہے گی۔

انجمن ترقی اردو دہلی

۲۷ جون کو فراق گورکھپوری کی صدارت میں انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی ایک ادبی نشست منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے ایک قرارداد کے ذریعے ڈاکٹر کنور محمد اشرف کی ناگہانی موت پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

فراق گورکھپوری نے اپنی صدارتی تقریر میں اردو ادیبوں شاعروں اور مصنفوں کو سنسکرت زبان و ادب سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ سنسکرت اور اس کے خیالات کو ہمیں ہضم کرنا ہے۔ اس سے ہمارے ادب میں اضافہ ہوگا اور اس میں وسعت پیدا ہوگی۔ ہمارے میل جول اور باہمی تعاون و اشتراک سے اردو بنی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس اشتراک کی جڑیں زیادہ گہری اور مضبوط ہوں۔

انجمن ترقی اردو گلبرگہ

جون کے آخری ہفتے میں انجمن ترقی اردو گلبرگہ کا ایک اہم جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے نے صدر انجمن سید مبارز الدین رفعت کا استعفیٰ منظور کیا۔ موصوف نے اپنی اور مصروفیتوں کی وجہ سے انجمن کے تنظیمی کاموں میں حصہ لینے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ اس جلسے میں عبدالرحیم آرزو کو صدارت کے لئے نامزد کیا گیا۔

انجمن ترقی اردو جبل پور

۲۳ جون کو انجمن ترقی اردو جبل پور کا پانچواں سالانہ جلسہ کارپوریشن ہال میں ہوا۔ اس موقع پر ایک بزم مشاعرہ بھی منعقد ہوئی جناب پنا لال صاحب شریواستو ایڈوکیٹ، صدر انجمن ترقی اردو نے جلسے و مشاعرے کی صدارت فرمائی۔

کارروائی ٹھیک ساڑھے نو بجے رات کو شروع ہوئی۔ سب سے پہلے سکریٹری انجمن ترقی اردو نے انجمن کی یک سالہ روداد اور حساب آمد و خرچ پیش کیا۔ اس کے بعد صدر صاحب نے انجمن کے آئندہ کاموں کا خاکہ بیان کیا۔

مہاکوشل ودیالیہ میں اردو ایم اے کلاس کا اضافہ

مہاکوشل کے طلبہ کو عموماً اور جبل پور کے طلبہ کو خصوصاً یہ سن کر خوشی ہوگی کہ انجمن ترقی اردو جبل پور اور دیگر اردو دوست حضرات کی کوششوں سے یکم جولائی ۱۹۶۲ء سے مہاکوشل ودیالیہ میں اردو ایم اے کلاس کا اضافہ ہو رہا ہے۔

انجمن ترقی اردو ساگر

انجمن ترقی اردو ساگر کے شبینہ مدارس کے طلبہ کے امتحانات ۲۹ جون ۱۹۶۲ء کو ہوئے۔ ۴۰ طلبہ میں سے صرف ایک ناکام رہا۔ یہ شبینہ مدرسے تجربہ کے طور پر کھولے گئے تھے اور توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ آئندہ نئے داخلوں کے لئے پھر اعلان کر دیا گیا ہے۔ ۹ جولائی سے مدرسہ جاری ہو جائے گا۔ جو طلبہ تعلیم بالغان کے نصاب کے امتحانات میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے ہیں ان کی مزید اردو تعلیم کے لئے انجمن ایک نیا درجہ کھولنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

انجمن ترقی اردو کوٹہ (راجستھان)

۲۴ جون کو انجمن ترقی اردو کوٹہ کے زیر اہتمام "جلسہ تقسیم اسناد جامعہ" منعقد کیا گیا۔ عبدالرحیم صاحب وکیل نائب سکریٹری انجمن نے انجمن کی کارگذاری کی ایک مختصر رپورٹ پیش کی۔

جناب احمد بخش صاحب ایڈوکیٹ نے اردو پر پُر جوش تقریر فرمائی۔ مقامی شعرا نے اردو پر نظمیں پیش کیں۔ کامیاب طلبہ کو جامعہ اردو کی اسناد تقسیم کی گئیں۔

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

شہاب سرمدی

جھانکیاں

(۱)

[اساڑھ]

بھیگی دھرتی، گھور اندھیرا،
رات نہ بولے۔
رِہ رِہ بوکھا جُھر کے
مانی مٹکے۔
تال کنارے داڈر بولے
میگھ سبھا میں گھرج براجے،
اَن ہدِ ناد کا بھید بتائے
جھینگر لہرا چھیڑے،
سچ مچ جیسے،
بین سے ناگن کھیلے......

(۲)

گھر گھر آئی کاری بدریا
پون چلت مدھ ماتی
تن لرجے،
من ڈولے،
دھڑکے رات کی چھاتی...
کُسم وتی، سُندر، دھن پیڑی
روپ، انوپ سجائے،
کرتے چھپا چھم چڑھی اُتریا
ناچت لٹ چھٹکائے،
جس جس پیاسے اُڑت چُنریا
اندر دھنش بن جائے....
چندر کلا سی، چپکے چپکے،
پگ پگ جھجکے،
جھجکے اور لجائے.......

بے ادب درندوں کے
خوفناک جسموں پر
بجلیوں کے کوڑوں سے
ایسی مار ماری ہے
جس سے وہ تڑپتے ہیں
اور غل مچاتے ہیں
میرا دل دہلتا ہے
پاؤں کانپ جاتے ہیں
اور لوٹ آتا ہوں
اپنے ڈاک بنگلے کی
اجنبی فضاؤں میں

غزل

میر حسن علی افسر

گرم بازار اجل ہے زندگی کے نام سے
آدمی گھبرا رہا ہے آدمی کے نام سے

دوستوں اور دشمنوں میں اب نہیں کچھ امتیاز
اک فریب مستقل ہے دوستی کے نام سے

اک تبسم کی تمنا نے دیئے اتنے فریب
کانپ اٹھتا ہے دل اب تو خوشی کے نام سے

ترک مے کرتے تو ہم افسر تو کیا کرتے بھلا
زہر پلوایا گیا ہے مے کشی کے نام سے

وحید مرزا

زندگی پھول بھی کانٹے بھی کبھی بوتی ہے
کبھی اوس ہے آنسو ہے کبھی موتی ہے

دل کبھی شعلۂ رخسار سے جل اٹھتا ہے
شبنم اشک میں بھی آگ چھپی ہوتی ہے

سینۂ بحر میں طوفان چھپا ہوتا ہے
موج بے تاب جو ساحل سے لگے سوتی ہے

دل کا خون آتش پنہاں سے بھی جل اٹھتا ہے
آنکھ اپنے جو کبھی لعل و گہر کھوتی ہے

عاشق رامپوری

ہم راہ وفا سے تو کبھی ہٹ نہیں سکتے
کچھ غم نہیں الزام پہ الزام ہیں دو

تفریق مٹا سکتے ہیں ہم دیر و حرم کی
تبلیغ محبت کا کوئی کام ہیں دو

ہم ان سے یہ ہرگز نہ کہیں گے کبھی عاشق
تم بہر خدا درد تہ جام ہیں دو

سید علیم اللہ حالی

فروغ مہر و مہ و کہکشاں سے گذرے ہیں
زمیں پہ رہ کے بھی ہم آسماں سے گذرے ہیں

غم حیات، غم گلستاں، غم جاناں
ہمیشہ ایک اک امتحاں سے گذرے ہیں

ہر ایک گوشۂ دل بن گیا ہے رشک چمن
ابھی ابھی وہ اسی گلستاں سے گذرے ہیں

رئیس اجمیری

یہ مرا شہر کہ فردوس بریں ہو جیسے
تفرقۂ چاند ستاروں کی زمیں ہو جیسے

کوہساروں پہ یہ رقصندہ ہواؤں کا خرام
جو گلشت کوئی ماہ جبیں ہو جیسے

یہ گلستاں میں خنک چاند ستاروں کی پھوار
نور ہی نور کا اک قصر حسیں ہو جیسے

ایسی پر کیف فضا اور یہ ترا رنگ جمال
خاتم حسن پہ تابندہ نگیں ہو جیسے

اسرار اکبر آبادی

آوازیں

رات کی خموشی میں
سنگ دل پہاڑوں کی
چوٹیوں کے سینہ سے
ہولناک آوازیں
اس طرح اُبھرتی ہیں
جیسے ایک وادی میں
موت کے فرشتے نے

عطا محمد شعلہ

ریاضؔ خیرآبادی

جی ہاں! یہ ریاضؔ خیرآبادی کا ذکر خیر ہے جنھوں نے اُردو کو یہ شعر دیا ہے

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

اس شعر میں غضب کی اچھائیت ہے اور بقول نیاز فتحپوری اسلوب، ادا اور محاکات کی یہ ایک ایسی دلکش مثال ہے کہ ریاضؔ کی قادر الکلامی پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔ یہ شعر ریاضؔ کی زبان سے نکلتے ہی ہر کس و ناکس کی زبان پر چڑھ گیا غلط نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ یہ اُردو شاعری کے اُن اشعار میں سے ہے کہ جن کی قسمت میں زندگی جاوید لکھ دی گئی ہے۔ اگر ذوقِ ادب اور اُردو زبان زندہ رہے تو یہ شعر بھی زندہ رہے گا خواہ ریاضؔ کا نام زندہ رہے یا نہ رہے۔

ریاضؔ کے تنقید نگاروں نے جب کبھی ریاضؔ کی بات کی ہے تو اُن کو کل کا شاعر بتایا ہے جو گزر چکا، آج کا نہیں! اور ریاضؔ کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ اب سے پون صدی قبل کے لکھنؤ کی بات کی ہے۔ اُس لکھنؤ کی جو اب مر چکا اور اُس وقت دم توڑ رہا تھا۔ لکھنؤ کی اس تہذیب کا نمائندہ ریاضؔ کو بتایا گیا ہے کہ جو اپنی ساری زوال آمادگی کے باوجود شوخ و شنگ تھی جس میں نغمہ و سرور کی گرم بازاری تھی اور فضا میں عیش پسندی بسی تھی: عیاشی کی بھی مہک آتی تھی۔ ہر چند کہ جب کبھی ریاضؔ کا ذکر آئے گا تو ظاہر ہے کہ اُن کے زمانے کی سیاسی اور سماجی، تہذیبی اور ثقافتی، اقتصادی اور معاشرتی تاریخ کے ابواب کا حوالہ دئے بغیر کوئی مفر نہ ہوگا! یوں کہ شاعر بہر حال اپنے زمانے کی پیداوار ہوگا اور ہے، یہ اور بات ہے کہ بعضے ادیب اور شاعر زمانے کی فضا کو بدلنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں لیکن یہ بات غالبؔ، حالیؔ اور اقبالؔ ہی کے نصیب میں تھی، ہر کسی کے حصہ میں یہ جنس گرانمایہ نہیں آتی۔

ریاضؔ یقیناً اس درجہ کے شاعر تو ہرگز نہ تھے لیکن پھر بھی وہ ایک ایسے ٹوٹتے ہوئے تارے ضرور تھے جو فضا میں اس سرے سے اُس سرے تک نور کی ایک ہلکی سی لکیر چھوڑتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ آج اگر ہم حساب کرنے بیٹھیں تو گنتی کے کچھ ہی شعراء ہیں جن میں نور و سرور کی وہ آمیزش دکھائی دے گی جس کی طرف ریاضؔ کا نام آتے ہی ہمارا ذہن منعطف ہو جاتا ہے۔

آج جب کہ مذاق زمانہ بدل گیا ہے اور ہم نے اپنے پہلے کے تمام شعراء کی قیمت آنکنے کے لئے نئے پیمانے بھی وضع کر لئے ہیں تو ہمیں شعراء کی درجہ بندی کرتے وقت ریاضؔ کی جگہ بھی اپنے ادب میں متعین کرنا ہے۔

ایک زمانہ تو وہ تھا کہ داغؔ و امیرؔ کے زندہ رہتے ہوئے بھی امیر مینائی کے اس شاگرد نے طول و عرض ہند میں اپنا سکہ جما لیا تھا لیکن آج جب کہ تنقید محض آہ اور واہ کا نام نہیں رہی بلکہ یہ بھی سائنس کی ایک قسم بنتی جا رہی ہے اور نہ صرف نفسیاتی یا سیاسی بلکہ تاریخ کے عوامل کی کارفرمائیوں کے پس منظر میں ہمارا تنقیدی نقطۂ نظر کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ بڑی ضرورت ہے کہ ہم اپنے جملہ شعراء کی قدر و قیمت کی دوبارہ تعین کریں۔

زمانہ نے کچھ ایسی کروٹ لی ہے کہ ہم ریاضؔ کو بھولتے جا رہے ہیں حالانکہ جب تک سارا سماج ایک ایسی منزل پر نہ پہنچ جائے کہ وہ ہم سے ہماری جوانی اور الھڑپنے کو چھین لے۔ ریاضؔ کا بھول جانا ایک جرم ہے۔

ریاضؔ انسانی زندگی میں جوانی کی آمد آمد کے شاعر ہیں۔ جب الھڑپنا ہی سب کچھ ہوتا ہے سنجیدگی کچھ نہیں۔ مجھے فراقؔ کی اس رائے سے شدید اختلاف ہے کہ ریاضؔ کے یہاں گھاگھ پن ملتا ہے۔ گھاگھ پن تو اردو شاعری میں صرف شوقؔ، مومنؔ اور داغؔ کا حصہ رہا اور انھیں پر یہ چیز ختم ہو گئی۔ مومنؔ اور زیادہ معنی آفرین اور پینترے باز تھے اور داغؔ مجلسی، اور شوقؔ صاف گو تھے مگر تینوں گھاگھ۔ ریاضؔ کو اس گھاگھ پن کی ہوا بھی نہیں لگی برخلاف اس کے ان کے یہاں ایک ایسا الھڑپنا ہے جو کالج کے طلبہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور جس کو ان کی زبان میں excitory کہا جاتا ہے۔ یقین نہ ہو تو ان کے چند اشعار سُنئے:

اس طرح کہ گھر گھر کوئی چھاگل کا نہ بولے
جب چھم سے چلیں گود میں چپکے سے اٹھا لے

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یوں ہی جبیں پر

نکال دوں گا شب وصل بل نزاکت کے
ڈرا لیا ہے بہت تیوریاں چڑھا کے مجھے

نہ رہنے پائے بلبل جی کی جی میں
کہ اب رس آچلا ہے ہر کلی میں

ناصح کے سر پہ ایک لگائی تڑاق سے
پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

ان اشعار میں وہی الھڑپنا اور غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے جو آج کل کالج کے طلبہ میں پایا جاتا ہے لیکن یہ وہ دور ہے جو ہر انسان کی زندگی میں ناگزیر طور پر آتا ہے اور اگر یہ دور کسی کی زندگی میں نہیں آیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ چاہے دنیا کا بڑا انسان ہو لیکن اس کے اچھا انسان ہونے میں یقیناً اور اکثر اہل نظر کو تامل ہوگا۔ طبیعت کے اُبل پڑنے کا یہ انداز جوانی کی یہ اُمنگ اور شباب کی یہ ترنگ ریاضؔ کے یہاں کچھ اس طرح شعر بن گئی ہے کہ اب ہم لاکھ کوسیں کہ ریاضؔ زوال آمادہ لکھنؤ کی پیداوار تھے لیکن ان کے اشعار سے لطف لئے بغیر چارہ نہیں۔

کہتے ہیں کہ ریاضؔ عمر بھر پاکباز رہے لیکن خمریات پر جو کچھ اور جیسا کچھ ریاضؔ نے کہا وہ اور کسی کے بس کی بات نہ ہو سکی۔ کسی بھی اہل ذوق سے یہ پوچھئے کہ خمریات میں اردو کا سب سے اچھا شاعر کون ہوا؟ تو جواب میں صرف ریاضؔ ہی کا نام ملے گا۔ ناقدین میں باہم اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اُن کے خمریات کے اشعار میں لذت نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ وہ شراب کے مزے تک سے ناآشنا تھے، بعض کہتے ہیں کہ شراب کے مضامین میں جو شوخی اور لذت ریاضؔ کے یہاں ہے وہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی مگر لذت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا کوئی مادی پیمانہ وضع نہیں کیا جا سکتا اور اس لئے اس بارے میں اختلاف ایک فطری امر ہے پھر بھی شراب کے مضمون میں جو جوش و لذت ریاضؔ کے یہاں ملتی ہے میری ناقص رائے میں کہیں نہیں ملتی۔ جگرؔ کے یہاں البتہ ایک سرمستی پائی جاتی ہے جو ریاضؔ سے آگے کی منزل ہے لیکن چونکہ جگرؔ زندہ ہیں اور ریاضؔ کو دیکھنے اور جاننے والے بھی ابھی پائے جاتے ہیں۔ دونوں کا فرق ہمارے سامنے ہے۔ ریاضؔ نے کبھی نہ پی اور عمر بھر شاعری میں شراب سے کھل کھیلتے رہے۔ جگرؔ نے جب تک جان میں جان رہی [illegible] پی کر

اُن کے رگ و ریشہ میں بس گئی لیکن پھر بھی ریاض کی وہ مشہور عالم غزل سُن کر کیا کہیئے گا۔

ابھی پی بھی خواب پی لی — جیسی پائی شراب پی لی
پی لی ہم نے شراب پی لی — آگ تھی مثلِ آب پی لی
چھوڑے کئی دن گذر گئے تھے — آئی شب ماہتاب پی لی

اور بھی اُن کے دو چار شعر سُنئے :۔

کوئی مست میکدہ آ گیا ہے بے خودی وہ چلا گیا
نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھی نہ حرم سے شورِ اذاں اُٹھا

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے میں ہو آئے — پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

مستی یا ہے کہ جب توبہ بھی — جا پہنے بیخودی سی رہتی ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہے جہاں ہم خشتِ خُم رکھدیں
جہاں ساغر پٹک دیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

شورِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں
بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

جامِ مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

ڈھلتی ہے ساقی خضر کے سبز کے قرابا
جیتے ہیں وہ بھی آگے لب جو کبھی کبھی

توبہ سے ہماری بوتل اچھی — جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

مر گئے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے
میرے حصّہ کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

اس آخری شعر کا دوسرا مصرعہ اب ایک زرداں کی طرح مجلسوں میں بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ریاض کے یہاں شراب وہی درجہ رکھتی ہے جس کے لئے غالب نے کہا ہے :

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

غالب کے یہاں جا ہے بادہ و ساغر سے مطلب مشاہدۂ حق ہو لیکن ریاض کے یہاں شراب سے مطلب جوانی ہے اور یہ بات تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ دنیا میں جوانی کا نشہ شراب سے بھی تیز ہوتا ہے۔ شراب کے بارے میں ریاض کو پارسا کہنے والے بھی جب ان کی جوانی کا ذکر آتا ہے تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ ریاض کی جوانی بڑی رنگین جوانی تھی اور انھوں نے جوانی کا جو لطف اُٹھایا ہے اور جس نگار رنگ عنوان سے وہ اس منزل سے گذرے ہیں اُن کے جاننے والوں نے اس طرف اشارے تو کئے ہیں، صراحت کہیں نہیں کی۔ لیکن یہ اشارے ہی اپنے اندر الف لیلوی رنگ رکھتے ہیں اور جب ہم اس پس منظر میں اُن کی شاعری پڑھتے ہیں تو ان کے اشعار سے اُن کی جوانی پھوٹی پڑتی ہے۔ خود اپنے بڑھاپے میں انھوں نے کہا تھا :

ہے ابھی میرے بڑھاپے میں جوانی کیسی
ہے ابھی اُن کی جوانی میں لڑکپن کیسا

جملہ تنقید نگار اس بارے میں متحد الرائے ہیں کہ ریاض کی شاعری زبان و بیان اور فن کے اعتبار سے بے عیب ہے اس میں ایک چستی اور تھرتی ہے جس کو بے ساختگی کہتے ہیں اُن کو زبان پر ایک ماہرانہ قدرت حاصل ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانے کے مذاق کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں مگر یہی وہ تمام خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ریاض کو بھول جانا آسان نہیں ہے۔ جب ریاض کے متعلق نقاد یہ کہتا ہے کہ وہ کل کے شاعر تھے تو چاہے ابھی اصل میں ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہو مگر یہ خطرہ ضرور پیدا ہونے لگتا ہے کہ ہم اُن کی قدر و قیمت کو گھٹا رہے ہیں اس لئے کہ یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ جسے ہر شاعر پر چسپ کیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ اقبال جیسے عہد آفریں شاعر پر بھی! اس لئے کہ آج جب ہم اقبال کے جملہ عناصر کی چھان پھٹک کرتے ہیں تو ہمیں کچھ ایسے اجزا اُن کے یہاں بھی مل جاتے ہیں کہ جو انھیں کے اپنے فلسفہ کی ضد تھے اور کچھ ایسے رجحانات بھی ملتے ہیں کہ جن کو رجعت پسند رجحانات کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے اقبال کی عظمت میں ایک شمہ بھی فرق نہیں آتا۔ یوں کہ زندگی آموز اور زندگی آمیز خیالات اور شاعرانہ صنعت کا جو حیرت انگیز کمال ہم کو اقبال کے یہاں نظر آتا ہے وہ اور کسی جگہ نظر نہیں آتا تو پھر کیا ایسی صورت میں ہم اقبال کو کل کا شاعر کہہ کر ٹال دیں گے۔ یقیناً ایک نقاد کا یہی فرض ہے کہ وہ ایک شاعر کے جملہ اشعار کی چھان بین کر کے اُن پہلوؤں کی طرف ہماری توجہ منعطف کرے جو ہماری شاعری کی زندہ اور پائندہ روایات اور بہترین قدروں کی حامل ہوں۔ میں تنقید نگاروں کی اس رائے سے متفق ہوں کہ ریاض کے یہاں جذبات کم اور آرٹ زیادہ ہے۔ ان کے یہاں ایک طرح کی اداکاری ہے۔ ممکن اور حاذب نظر لیکن لکھنؤ کی زندگی کا جو ایک نشاطیہ اور پُر امید پہلو ہے اس کی سچی تصویر ریاض ہی کے موقلم نے کھینچی ہے اور اس لئے وہ جذبات سے یکسر معرّا نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے ان کے جذبات کے اپنے دور ان اور دل کی گہرائی سے ہم زیادہ قائل نہ ہوں۔

ریاض نے ۱۸۵۳ء میں خیر آباد کے ایک معزز گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد ماجد کا نام سید طفیل احمد تھا جو ایک پایہ کے عالم تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم شیخ سعدؒ کے خلیفہ حضرت قاضی سید فیض بخشؒ کے سلسلہ سے حضرت شاہ شجاع کرمانی تک پہنچتا ہے۔ خیر آباد ضلع سیتاپور میں اودھ کا ایک مشہور قصبہ ہے اور خیر آباد کا عہدۂ قضا حضرت ریاض کے خاندان سے مخصوص تھا۔ آپ کے آباء و اجداد سلاطین وقت کی جانب سے معزز عہدوں پر مامور تھے اور مختلف اوقات میں جاگیریں بھی ملتی رہیں جس میں کا کچھ حصہ غدر کے زمانے تک بھی باقی تھا۔ ریاض کی تعلیم پہلے فارسی کی تعلیم ہوئی اور اس کے بعد مولوی حافظ سید علی بخش مرحوم کے مدرسہ عربیہ میں داخل ہوئے۔ ابھی تعلیم ہی پا رہے تھے کہ باقتضائے طبیعت شاعری سے مناسبت ہوئی۔ شوق نے ایسا غلبہ کیا کہ اسیر مرحوم کے شاگرد ہو گئے اور بعد میں اسیر ہی کے اشارے سے اُن کے جانشین امیر مینائی کو کلام دکھانا شروع کیا۔
(باقی)

سہ لسانی فارمولے کے متعلق مولانا حفظ الرحمٰن کا خط

وزیر اعلیٰ یو۔پی کے نام

چیف منسٹروں کی ایک کانفرنس ۱۰ر ۱۲ر اگست ۱۹۶۱ء کو دہلی میں ہوئی تھی جس میں تعلیم کے ذریعہ قومی یکجہتی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سہ لسانی تعلیم کا ایک فارمولا مرتب کیا گیا تھا۔ اس فارمولے کو جس طرح یو۔پی میں عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یو۔پی میں اُردو زبان کے جو نشانات باقی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں۔

مجاہد ملت مدظلہ العالی نے اس سے متاثر ہو کر شری گپتا جی چیف منسٹر یو۔پی کو اپنے بستر علالت سے ایک خط لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

(محمد میاں۔ جنرل سکریٹری جمعیۃ العلمائے ہند)

مائی ڈیر گپتا جی۔

میں کینسر میں مبتلا یہاں میڈیسن میں بیمار پڑا ہوں۔ ایک نہایت ہی ضروری بات جو مجھے بستر علالت پر بھی تکلیف پہنچا رہی ہے اس کے متعلق آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

یو۔پی کے لئے تین زبانوں والا فارمولا جو آپ نے منظور کیا ہے میں نے اس کو پڑھا۔ اس فارمولے کا جو محرک اور منشا ہے میں اس سے مخالف نہیں ہوں۔ میں اس کو مناسب سمجھتا ہوں لیکن آپ کے فارمولے کی صورت یہ ہے کہ اس کی بنا پر اُردو اسکولوں سے خارج ہو گئی ہے۔ اُردو کا اس طرح خارج ہو جانا حد درجہ تکلیف دہ ہے۔ اُردو زبان سے محبت کرنے والے مجبور ہیں کہ اس پر احتجاج کریں۔

میری رائے یہ ہے کہ فارمولے میں اس طرح ترمیم کر دی جائے۔

(۱) ہندی۔

(۲) انگریزی یا دوسری یوروپین زبان۔

(۳) جنوبی ہند کی کوئی زبان یا اُردو۔

میری اس ترمیم کا منشا یہ ہے کہ اُردو کو ایک ایسا مقام حاصل ہو کہ جو اُردو پڑھنا چاہیں وہ ایک قانونی اختیار کے ماتحت اپنی منشا کے بموجب اُردو پڑھ سکیں۔ میری اس رائے سے آپ اتفاق کریں گے کہ یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں رہنمائی تو کی جا سکتی ہے جبر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جبر کیا جائے تو اس سے ہمارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ میری ترمیم سے اُردو یو۔پی میں ـــ جو اس کا گھر ہے زندہ رہ سکتی ہے۔

اُردو جو ایک قیمتی سرمایہ اور قابل قدر زبان ہے۔ کم از کم یو۔پی میں اس کو خارج کر کے قومی یکجہتی کا حاصل کر لینا میرے نزدیک خیالی، بے محل اور غیر فطری رجحان ہے۔

اُردو بولنے والوں کا اہم مسئلہ معاشی تحفظ ہے

حیدر آباد ــ ۲ر جولائی کو مسٹر ایم باگا ریڈی صدر انجمن تحفظ اُردو آندھرا پردیش نے کہا کہ اُردو بولنے والوں کے پیش نظر اس وقت اہم مسئلہ معاشی تحفظ ہے جس پر فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بے شمار لوگ اپنے بچوں کو اُردو میں اس لئے تعلیم نہیں دے رہے ہیں کہ آئندہ ملازمتوں کے حصول میں دشواریاں پیدا نہ ہوں۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے انگریزی، ہندی اور تلگو سیکھیں۔ مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھنا ایک اچھا جذبہ ہے۔ لیکن مادری زبان کی تعلیم اور اس کی ترویج اور اشاعت کے لئے بھی ساتھ ساتھ کام ہونا چاہئے۔ مسٹر باگا ریڈی جو رکن اسمبلی اور ضلع پریشد میدک کے صدر بھی ہیں انجمن تحفظ اُردو کے اجلاس عاملہ میں صدارتی تقریر کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں بعض اردو دوستوں نے بھی شرکت کی۔

قومی یکجہتی کے لئے ریڈیو کی ہندی کو بدلنا غلط ہوگا

سیٹھ گووند داس کا اظہار خیال

الٰہ آباد میں ۲۹ر جون کو ہندی کے زبردست حامی اور ممبر پارلیمنٹ سیٹھ گووند داس نے ایک پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے نقطۂ نظر سے ریڈیو کی ہندی کو بدلنا غلط ہوگا۔

انھوں نے کہا کہ ریڈیو اپنے خبرناموں میں جو ہندی استعمال کرتا ہے وہ اس ہندی کے مقابلے میں سہل ہے جو اخباروں اور کتابوں میں استعمال ہوتی ہے۔

پریس کانفرنس میں سیٹھ گووند داس نے یہ بھی کہا کہ میں اُردو کے خلاف نہیں ہوں۔ میں نے اپنے ڈراموں میں اُردو کو استعمال کیا ہے۔ اور ریڈیو سے علیحدہ خبرنامے نشر کئے جاتے ہیں کسی ہندی بولنے والے نے ان خبرناموں کی مخالفت نہیں کی ہے۔ ہم نے اس بات کی کبھی شکایت نہیں کی کہ ریڈیو پر استعمال ہونے والی اُردو مشکل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس وجہ سے ریڈیو پر استعمال ہونے والی ہندی پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔

سیٹھ گووند داس نے کہا کہ پہلے ہم اُردو کو الگ زبان نہیں جانتے تھے اور اسے ہندی کا ایک اسلوب جانتے تھے۔ لیکن جب دستور ساز اسمبلی میں زبان کا مسئلہ پیش ہوا اور اُردو والوں نے کہا کہ ہندی والے یہ چاہتے ہیں کہ اُردو کو بھلا دیا جائے اور اس ملک میں اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے تو ہم نے اُردو کو علیحدہ زبان تسلیم کر لیا۔ اب جبکہ وہ ملک کی چودہ زبانوں میں سے ایک زبان ہے تو اُردو اور ہندی کو الگ الگ زبانوں کی حیثیت ملنی چاہیے اور دونوں کی ترقی ہونا چاہیے۔

کشمیر کلچرل اکیڈمی

سری نگر میں کلچرل اکیڈمی کے زیر اہتمام کشمیر آرٹ اسٹوڈیو قائم کیا گیا۔ یہ اسٹوڈیو سری نگر کے آرٹسٹوں کی سہولت کے لئے بنایا گیا ہے جہاں نئے آرٹسٹوں کی تربیت کا معقول انتظام بھی ہوگا۔ یہ اسٹوڈیو ہفتے میں صرف دو دن کھلے گا۔ ۲۸ر جولائی کو وزیر اعظم جموں و کشمیر اسٹوڈیو کا افتتاح کریں گے۔

سکریٹری اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز کی پریس کانفرنس

۲۳ر جون کو سری نگر میں علی جواد زیدی سکریٹری اکیڈمی نے ایک پریس کانفرنس میں اخباری نمائندوں کو بتلایا کہ کلچرل اکیڈمی کے سامنے ایک وسیع اشاعتی پروگرام ہے، جس کی تکمیل پر اکیڈمی کی طرف سے بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہوں گی۔ آپ نے کہا کہ کشمیر کے تمدن کو فروغ دینے کے لئے کلچرل اکیڈمی پوری طرح سے کوشاں ہے، اور علم و ادب کے تمام پرستاروں سے تعاون کی اپیل کرتی ہے نیز فن و ادب کے دوستوں سے ہر قدم پر مشورے اور تجاویز کی توقع رکھتی ہے۔

(نامہ نگار)

ادارۂ ادبیات اردو۔ حیدرآباد

حیدرآباد۔ چار روسی خواتین نے ۲۳ر جون کو ادارۂ ادبیات اردو کے دفتر ایوانِ اردو کا تفصیلی معائنہ کیا۔ ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ اور مسٹر وقار خلیل محمد برسبیل رش نے وفد کا خیر مقدم کیا۔ وفد کی سربراہ مسز یوتا پود الکچرار اردو و ہندی تاشقند یونیورسٹی نے دوران گفتگو میں کہا کہ وہ ان دنوں لکھنؤ یونیورسٹی میں روسی سکھانے کے لئے مامور ہیں۔ ان چاروں خواتین نے ایوانِ اردو کے معائنہ کے بعد اردو کے قدیم و جدید سرمایہ کو دیکھ کر بیحد خوش ہوئیں۔

اردو کی ممتاز افسانہ نگار خاتون محترمہ عصمت چغتائی نے ۲۶ر جون کو ادب دوستوں کے ایک اجتماع میں ادارۂ ادبیات اردو کے دفتر ایوانِ اردو کا معائنہ کیا۔ موصوفہ کے اعزاز میں عصرانہ ترتیب دیا گیا تھا۔ اس موقع پر اراکین مجلس انتظامی کے علاوہ جناب فضل الرحمٰن سابق ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد اور پروفیسر سید محمد صاحب پرنسپل اردو کالج بھی موجود تھے۔

(وقار خلیل)

انجمن تعمیر اردو دہلی

قومی یک جہتی کے سلسلے میں ۲۴ر جون کو انجمن تعمیر اردو دہلی کے زیر اہتمام مشاعرہ منعقد ہوا۔ ہندی کے مشہور شاعر شری رام دھاری سنگھ دنکر ممبر راجیہ سبھا نے قومی اتحاد اور ہندی ادب میں اردو فارسی کی آمیزش پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ اردو کی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اردو کو اس کا صحیح مقام ملنا ہی چاہیئے اور اردو کے رائج الفاظ کو ہندی میں جگہ ملنی چاہیئے۔ نیز سہ لسانی فارمولے کے تحت شمالی ہند میں اردو کی تعلیم کو عام کرنا اور پھیلانا چاہیئے۔ قومی ایکتا کا کام عوام اور ادیب سرکار سے بہتر کر سکتے ہیں۔ گذشتہ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ چندر بردائی، امیر خسرو، کبیر داس، دارا شکوہ اور گاندھی جی اس کی عظیم مثالیں ہیں۔

(گلزار دہلوی)

اردو مجلس حیدرآباد

اردو مجلس حیدرآباد کا ماہانہ ادبی اجلاس اتوار ۲۴ر جون کو شام کے ۵ بجے اردو ہال واقع حمایت نگر میں منعقد ہوا۔ اردو دوستوں کی کثیر تعداد نے اس اجلاس میں شرکت کی جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ نے اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔ رائے جانکی پرشاد صاحب صدر اردو مجلس حیدرآباد نے محترم صدر جلسہ کا خیر مقدم کیا۔

خیر مقدمی تقریر کے بعد جناب محی الدین احمد صاحب نے "اردو مرثیہ اور میر انیس" کے زیر عنوان اپنا مضمون سنایا۔ آپ نے کہا کہ انیس خاندانی مرثیہ گو شاعر ہیں لیکن مرثیہ نگاری سے قطع نظر، عام شاعری میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ انیس نے اپنے کلام میں تشبیہ و استعارہ میں جدت سے کام لیا ہے۔ منظر کشی، واقعہ نگاری اور قدرتی مناظر کی عکاسی جس طرح میر انیس نے کی ہے ویسی نہ آج تک کسی شاعر نے کی اور نہ کسی نثر نگار نے۔

اس مضمون کے بعد "جنوبی ہند کے مرثیے" کے عنوان سے محترمہ رشیدہ موسوی صاحبہ لکچرار اردو وینکٹ رامار یڈی ویمنس کالج نے اپنا مضمون سنایا۔ محترمہ رشیدہ موسوی نے کہا کہ جس طرح اردو شاعری کی باضابطہ ابتدا دکن سے ہوئی اسی طرح اردو مرثیے کے قدیم ترین نمونے بھی دکن میں ملتے ہیں۔

صدر جلسہ جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے اردو مجلس حیدرآباد کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد مہربانہ ہو "اردو بنیاد" ہمیشہ سے رہا ہے۔ اردو شہریت اور اردو سماج کے قیام میں حیدرآباد کا بڑا حصہ رہا ہے۔

صدارتی تقریر کے بعد محمد منظور احمد صاحب معتمد اعزازی اردو مجلس نے شکریہ ادا کیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

(وقار خلیل)

اقبال کے لوح مزار پر غلط تاریخ پیدائش

قومی زبان (کراچی) کی ایک خبر کے مطابق اقبال مرحوم کے لوح مزار پر پیدائش کی تاریخ ۱۲۹۴ھ کندہ ہے جو غلط ہے۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ڈاکٹر اقبال ۲۲ر فروری ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔

مراسلہ

ہندی انگریزی الفاظ اور اُردو املا

ہماری زبان مورخہ ۸، ۱۵ مارچ ۱۹۶۲ء میں عنوان بالا کے تحت ڈاکٹر گیان چند صاحب کا مضمون میری نظر سے گذرا۔ اس میں اردو املا کے تعلق سے میری کاوشوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔ مضمون نگار کو بعض امور کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ توضیح کے ذریعے ان کو رفع کروں۔

بحث طلب امور کی نسبت عرض کیا جاتا ہے:۔

(۱) واوِ لین اور یائے لین اعراب۔ یہ اعراب پہلے ہی سے علمِ تجوید میں مذکور ہیں، جن کو ہر تجوید دان بخوبی جانتا ہے، لیکن اردو والوں کی نظر اُن تک نہیں گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے مختصر سے لے کر مبسوط قواعدوں میں کہیں بھی نام نشان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اردو کے تمام قاعدوں میں چاہے وہ ہندوستان کے ہوں یا پاکستان کے، ان سب میں اصلی ناموں کے بجائے ترتیب وار واو ماقبل مفتوح اور یا ماقبل مفتوح جیسے غلط ناموں ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی تحقیق سے ان کو دریافت کر کے "ہماری زبان" کے ذریعے اردو والوں پر انکشاف کیا ہے۔

(۲) حروفِ علت (ی، ے) مثلاً جھیل اور کھیت اور حروفِ علت (او، او، اَو) مثلاً طور، چور اور دور۔ واضح ہو کہ پہلے ہی سے ماہرینِ تعلیم نے یائے معروف اور یائے مجہول کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے یائے معروف کے نیچے "کھڑا زیر" (ٖ)، واوِ معروف اور واوِ مجہول کے امتیاز کے لئے واوِ معروف کے اوپر "الٹا پیش" اور واوِ لین کے لئے واو کے اوپر "جزم" استعمال کرنا اعرابوں کے طور پر منظور و طے کیا ہے۔ ایک زمانے سے جدید طریقۂ تعلیم میں ان اعرابوں پر برابر عمل ہو رہا ہے اور وہ مسلمہ ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے بارے میں لب کشائی کرنا لقمان کو لقمہ دینا ہے۔

(۳) نیمہ (ں) اردو میں نون غنہ کے لئے نون کے اوپر اس طرح (نٚ) کی علامت لکھی جاتی ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ نون پورا نہیں ہے، بلکہ آدھا ہے۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر میں نے اردو کے لئے ایک کارآمد اور مفید اعراب ایجاد کیا ہے، جس کی بدولت غیر زبانوں کے الفاظ کو اردو میں لکھنے کی بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے طور پر اس نئے اعراب کا نام نیمہ تجویز کیا ہے۔ موٹے لفظوں میں اسے کسی حرف کی آدھی یا مدھم آواز کو ظاہر کرنے والی علامت کہہ سکتے ہیں۔ اور صوتیاتی نقطۂ نظر سے اس کو "ادھوری آواز" کی نشانی قرار دے سکتے ہیں۔ یاد رہے زبر اور زیر کے اظہار میں کچھ وقفہ لگتا ہے۔ لیکن نیمے میں مطلق وقفہ نہیں لگتا۔

نیمے کا استعمال ہندی و انگریزی اور اردو الفاظ کی لکھاوٹ میں ہوتا ہے چنانچہ ہندی میں عموماً سنسکرت ویَنجن (व्यंजन) یعنی ہندی کے آدھے حروفِ صحیح سے لکھے جانے والے لفظوں کو لکھا جاتا ہے۔ جیسے جوالا، سوامی۔ انگریزی میں (S) سے شروع ہونے والے الفاظ کو تحریر کیا جاتا ہے۔ جیسے سکول، سٹانڈ اور اردو میں نون غنہ اور یائے مخلوطی کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے رنج، چاند (نون غنہ) اور پیاز، دھنیاں (یائے مخلوطی)۔ جب نیمہ ہی سے سکون کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، تو پھر اردو کے قاعدہ کے خلاف الفاظ کے ابتدائی حرفوں میں سکون کی بدعت اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(۴) ہندی آوازیں یعنی (श)، (ष)، (ण) اور (ऋ)

ان میں (श) اور (ष) کی آوازیں بقول آپ کے یکساں ہیں۔ اگر صرف صوتیات ہی کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر کتابت کا امتیاز کیا باقی رہے گا؟ (श) عام شین کی آواز کے لئے ہے اور (ष) خاص سنسکرت شین کے لئے مختص ہے۔ اسی اختلاف کے مدنظر سنسکرت شین کے واسطے اردو بدل (شٖ) وضع کیا گیا ہے۔ اس میں علامت (ـ) نقطہ کی قائم مقام ہے، جس کا اردو ٹائپ میں پہلے ہی سے چلن ہے۔ (ण) سنسکرت نون ہے جس کا اردو بدل (ڑن) بنایا گیا ہے۔ اس میں بھی (ـ) نقطے کا قائم مقام ہے، جو لکھاوٹ میں گنجلک پیدا ہونے کے خیال سے اختیار کیا گیا ہے۔ (ऋ) سنسکرت رِی اس کا اردو بدل (رِ) ہے جو رِتو اور کرپا جیسے سنسکرت لفظوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں دو زیر ہوتے ہیں ایک خالی زیر (ِ) اور دوسرا کھڑا زیر (ٖ)۔ اردو میں (رِ) اور (رٖ) کی آوازوں میں بڑا فرق ہے۔ چونکہ سنسکرت رِی اردو میں رائے ممدودہ (رٖ) کے مانند ہے اسی لئے (رِ) کے مقابلہ میں (رٖ) لکھنا زیادہ مناسب ہے۔ (ں) یہ انسوار کہلاتا ہے۔ عام طور پر اس کا تعلق ہندی سنسکرت الفاظ سے ہے۔ اردو میں ہر وقت اس کی میم ساکن یا نون ساکن کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں رہتی۔ چنانچہ انسوار اردو میں موقع و محل کے لحاظ سے نون غنہ بھی ہو سکتا ہے اور نون ظاہر بھی۔ جیسے (نون غنہ) گنوار، کنواں، سنگھاڑا اور سنگھاسن (نون ظاہر) سنچائی، زندہ، گندا اور کنڈا۔ اب ذرا انگریزی آوازوں کا بھی حال سن لیجئے:۔

(۵) Lord اور Call۔ ان میں لارڈ بقول آپ کے آپ کے نزدیک تر ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں الف ممدودہ نہیں ہے، بلکہ نیمہ والا الف ہے۔ اس لحاظ سے لارڈ ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ آپ کے نزدیک انگریزی حروفِ علت (o) اور (a) کے تلفظ میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے لارڈ اور کال کا املا یکساں بتلایا ہے۔ اس کے علاوہ Call کے متعلق آپ کی یہ تجویز کہ الف کے ماقبل ضمہ لگا کر الف کی آواز کو واو کی طرف موڑ دیں ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ واضح ہو کہ اردو عربی الفاظ میں الف کے ماقبل کبھی ضمہ نہیں آتا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ الف، الفِ مقصورہ کے بجائے الف ممدودہ ہو۔ خواہ مخواہ صوتیات کی کورانہ تقلید میں اصولِ املا سے انحراف کر کے اردو کی مٹی پلید کرنا ہے۔

(۶) Pen اور Man۔ ان میں بقول آپ کے حروفِ علت (a) اور (e) کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے، اس لئے کہ ہر دو کا املا ایک ہی طرح کا ہے۔ حالانکہ ان میں (a) کی آواز ذرا سی اونچی ہے اور (e) کی آواز یک لخت مدھم ہو گئی ہے۔ کتابت میں ان کا لحاظ ہونا چاہیے۔

(غلام رسول)

بقیہ

اُردو میں صوتیاتی اصطلاحیں

لیکن Stop کے لئے "مسدودی" Fricative کے لئے "تجہدی" اور Affricate کے لئے "ملس تجہدی" غالباً چلن کے رتبے تک نہ پہنچ سکیں گی ۔ یہی عالم "لثوی" (alveolar) کا ہے ۔ یہ لفظ اُردو والوں کے لئے حد درجہ اجنبی اور ادق ہے ۔

خدشہ ہے کہ اُردو لسانیات سے جو تھوڑی بہت دلچسپی پیدا ہو گئی ہے ، وہ مشکل اور ادق اصطلاحوں کی وجہ سے مفقود نہ ہو جائے ۔ اس مسئلے پر پچھلے چند برسوں میں مجھے برابر لوگوں کے دلوں کو ٹٹولنے کا موقع ملا ہے ۔ لوگ لسانیات سے دل چسپی لیتے ہیں ۔ اس سے متعلق بعض تحریروں کو پڑھنے کے مشتاق ہیں ۔ لیکن دو قدم چل کر گھبرا جاتے ہیں ، کیونکہ اصطلاحوں اور نامانوس ترکیبوں کی چٹانیں راستہ روکے کھڑی رہتی ہیں ، اس مسئلے کا صحیح حل تو یہی ہے کہ لسانیات میں یا کم از کم صوتیات میں باقاعدہ تربیت دی جائے ۔ لسانیات کے تمام پہلوؤں پر عبور حاصل کرنا تو خاصا مشکل کام ہے لیکن صوتیات سے بنیادی واقفیت چند ہفتوں میں بہم پہنچائی جا سکتی ہے ۔ ہماری یونیورسٹیوں کو چاہیے کہ کم از کم زبان کے اساتذہ کے لئے صوتیات کی تربیت لازمی کر دیں ۔ موجودہ سائنسی عہد میں جو شخص زبان کی درس و تدریس کا کام کرتا ہے اور صوتیات سے ناواقف ہے ، وہ نہ صرف طلبہ پر بلکہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے ۔ لیکن جہاں تک عام قارئین کا سوال ہے ، ہم اپنے ہر پڑھنے والے سے یہ تقاضا کرنے میں حق بجانب نہ ہوں گے ۔

چناں چہ ان حالات میں ضروری ہے کہ لسانیاتی اصطلاحوں کو امکانی حد تک "زمین سے قریب" رکھنے کی کوشش کی جائے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک اُردو اصطلاحیں عام نہیں ہو جاتیں ، ان کے انگریزی مترادفات کو خطوط وحدانی میں ساتھ ساتھ درج کیا جائے ۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے پچھلے چند برسوں میں اُردو لسانیات سے متعلق جو کام کیا ہے ، اس کی حیثیت اساسی اور اصلی ہے ۔ ان کی تحریر قابل قدر ہوتی ہے ۔ لیکن اگر وہ اُردو اصطلاحوں کے ساتھ ساتھ ان کی انگریزی اصل بھی لکھ دیا کریں تو زیادہ بہتر ہوگا ۔ اس میں کچھ وقت اور کاغذ تو ضائع ہوتا ہے لیکن اگر نئی اصطلاحوں کو چلن کے رتبے تک پہنچانا ہے تو ایسا کرنا ہی ہوگا ۔ خود میں نے اپنی مختصر کتاب "اردو کی تعلیم کا لسانیاتی پہلو" میں اسی اصول پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ حال ہی میں دہلی یونیورسٹی کے رسالے "اردوئے معلیٰ" کا لسانیات نمبر شائع ہوا ہے ۔ اس کے بعض مقالہ نگاروں نے بھی یہی اہتمام کیا ہے ؛ اور اس میں شک نہیں کہ ایسا کرنے سے ہم اپنی بات کو زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں گے ۔

میں تو اس کا بھی قائل ہوں کہ جہاں آسانی سے کوئی اصطلاح وضع نہیں کی جا سکتی ، وہاں اُسے انگریزی سے لے لینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ۔ مثلاً فونیم عام لفظ ہے اور لسانیات کی ابجد میں داخل ہے ۔ اُردو میں اس کے لئے کوئی مناسب لفظ موجود نہیں ۔ تو کیا ضروری ہے کہ ہم اس کے لئے غیر ملکی زبانوں کے خزانے ٹٹولیں اور نامانوس ترکیبوں سے اپنا بوجھ بڑھائیں ۔ فونیم کو اُردو میں فونیم ہی تو کہا جا سکتا ہے !

محمد عتیق صدیقی

تبصرے

عثمان بطور

مصنفہ گوڈ فرے لیاس (مترجم شاہد احمد دہلوی)
تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ ، حجم ۳۵۲ صفحات ، قیمت ۱.۲۵ روپے
ناشر : نیشنل اکاڈمی ، دریا گنج ، دہلی ۶

"بطور خاں" ان مسلمان چینی مہاجرین کی داستان ہے جنھوں نے انقلاب چین کے بعد اپنے وطن کو خیرباد کہا اور تبت کی دشوار گذار پہاڑی گھاٹیوں کو عبور کرکے کسی نہ کسی طرح کشمیر پہنچے، لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر انھوں نے کشمیر میں قیام مناسب نہیں سمجھا۔ خود مصنف کے بیان کے مطابق "قازقوں نے محسوس کیا کہ وہ کشمیر میں خوش نہیں رہ سکتے حالانکہ یہاں کے لوگ ان ہی کی طرح مسلمان تھے۔" مصنف نے ان کے خوش نہ رہ سکنے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو اچھا تھا۔

"بطور خاں" کی طرح، اس کتاب کی داستان بھی کم دل چسپ نہیں ہے۔ یہ داستان ہے چینی مہاجرین کی، اس کا مواد جمع کیا گیا ترکی میں، لکھی گئی، غالباً، امریکہ میں، اس نے اُردو کا جامہ پہنا پاکستان میں، اور چھپی ہے ہندستان میں۔ شاید ان ہی وجوہ کی بنا پر اس ۳۵۲ صفحے کی کتاب کی قیمت حیرت ناک حد تک کم ہے۔

مصنف کا انداز بیان افسانوی ہے، ترجمہ کی زبان صاف اور شستہ ہے، جو لوگ اس طرح کے موضوع سے دل چسپی رکھتے ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ دل چسپی سے خالی نہیں۔

چین کے مسلمان

مصنف : (نام درج نہیں ہے)
مترجم : گوپال متل
تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ ، حجم ۴۶ صفحات ، قیمت پچیس نئے پیسے
پتہ : نیشنل اکاڈمی۔ ۹ انصاری مارکٹ دریا گنج دہلی ۶

اس کتاب کا موضوع بھی بطور خاں سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ اس کا انداز بیان افسانوی نہیں ہے۔

اس کتاب کی قیمت بھی حیرت ناک حد تک کم ہے۔ کتابت و طباعت بھی بُری نہیں ہے۔

تاریخ ناصری الموسوم بہ تذکرۂ آل پاک

مرتبہ : سید حامد علی نقوی

مال پورہ راجستھان میں، ٹونک کے قریب، ایک پُرانا قصبہ ہے، جس کی بیشتر مسلم آبادی ان سادات پر مشتمل ہے جن کے ایک بزرگ "سید احمد بخارا سے ۱۱۹۲ء میں شہاب الدین محمد غوری کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔"

مولف کے بیان کے مطابق "ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں رہنے والے سادات کے تذکرے اُردو میں شائع ہو چکے ہیں" لیکن ان میں سے کسی تذکرے میں سادات مال پورہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی کمی کو دور کرنے کی نیت سے سید حامد علی صاحب نے جو خود بھی سادات مال پورہ کے اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے اسلاف و اخلاف کا ایک تذکرہ مرتب کیا اور "تاریخ ناصری یا تذکرۂ آل پاک" نام رکھا۔ کتاب میں جا بجا تصویریں بھی نظر آتی ہیں، جن سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

انساب سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے عموماً اور مال پورہ نیز اس کے گرد و نواح کے رہنے والوں کے لئے خصوصاً یہ کتاب خاصی دل چسپ اور پُر از معلومات ہے۔

قیمت اور ملنے کا پتہ کتاب پر درج نہیں ہے۔ غالباً تذکرہ نگار سے حسب ذیل پتے پر مل سکتی ہے : سید حامد علی نقوی ایم اے (علیگ) محلہ سادات، قصبہ مال پورہ۔ جے پور (راجستھان)

مجلہ سیفیہ

تقطیع ۲۲ × ۱۸ ، حجم ۲۲۶ صفحات
سیفیہ ڈگری کالج بھوپال
(قیمت درج نہیں ہے)

سیفیہ کالج بھوپال کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں، صرف چھ سال ہے۔ اس مختصر عرصے میں کالج نے جو ترقی کی ہے، اس کی روشن مثال مجلّہ سیفیہ ہے، جو حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

مجلّہ سیفیہ میں غزلوں اور افسانوں سے زیادہ تحقیقی، تنقیدی، تاریخی، سائنسی اور عام معلوماتی مضامین ہیں، جن کی مجموعی تعداد سولہ ہے، اور یہ شگون نیک ہے کہ ان میں سے ایک تہائی سے زیادہ مضامین طالب علموں کے لکھے ہیں اور یہ خاصی محنت سے لکھے گئے ہیں۔ نظم اور افسانوں کا حصہ تو تقریباً تمام کا تمام طالب علموں ہی نے پُر کیا ہے، اور یہ حصہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اساتذہ کے مقالات میں عبد القوی دسنوی کا "حالی کے شخصی مرثیے" اور ڈاکٹر گیان چند کا "آغاز نطق سے اُردو تک" دل چسپ اور قابل ذکر ہیں۔

سیفیہ کالج کے طلبہ قابل مبارکباد ہیں جنھوں نے اُردو رسائل کی برادری میں ایک قابل قدر رسالے کا اضافہ کیا ہے۔ کتابت کی پاکیزگی، طباعت کی صفائی اور سرورق کی سادگی طلبہ اور ان کے رہنما اساتذہ کی خوش مذاقی کی آئینہ دار ہے۔

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا